اسلام کے قانونِ سرقہ کا قرآن، حدیث اور فقہاء کی آراء کی روشنی میں ایک تفصیلی جائزہ

Islam's Law of theft in the light of Qur'an, Hadith and the opinions of jurists: A detailed review

Altafur Rahman
PhD Scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi.
Email: altafakhon1@gmail.com
Shahid Ur Rahman
PhD Scholar, Department of Usooluddin, University of Karachi.
Email: Shahidhafiz663@gmail.com
Dr. Ali Ur Rehman
PhD University of Peshawar / S.T.T Elementary and Secondary Education Peshawar
Email: qaziali477@gmail.com

Abstract
The purpose of Islamic punishments is to prevent the human beings from cruelty and put them on the right path, and to give such a punishment that psychologically affects other people and they do not have the courage to do such evil deeds. One of these punishments is the punishment of cutting off the hand, when the thief is proven to have committed theft, according to the Shari'ah, his hand will be cut off, because theft destroys the basis of individual ownership. This is because if the crime of theft is not punished, then every human being can share in the food and drink, housing and clothing and equipment of others and eventually the strong will prevail and the weak will have nothing left but hunger, nakedness and deprivation. It is as if the Islamic Shari'ah has rejected the psychological factors that cause the crime by determining the absolute punishment from the psychological factors that prevent the crime. By default, if the psychological factors that cause the crime prevail over the preventing factors and a person commits a crime, then the punishment The harshness and intensity of the will instill in him the psychological factors that deter recidivism and he will not commit the crime again.
Keywords: Criminal law, Hudood, fiqhul-jinayat, Islamic punishment

اسلامی سزاؤں کا مقصد یہ ہے کہ بنی آدم کو ظلم وجور سے روک کر صحیح راہ پر ڈال دیا جائے، اور ایسی سزا دیا جائے کہ جس سے نفسیاتی طور پر دوسرے انسان متاثر ہوں اور ان کو اس طرح کے بُرے کاموں کی جرات وہمت نہ ہونے پائے۔ ان سزاؤں میں سے ایک سزا "قطعِ ید" یعنی ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی ہے، جب چور پر چوری ثابت ہو جائے تو از روئے شریعت اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس لئے کہ چوری انفرادی ملکیت کی اساس کو مسمار کرتا ہے کیونکہ اگر جرم سرقہ پر سزا نہ دی جائے تو ہر انسان دوسرے کے طعائم و شراب، مسکن ولباس اور آلات عمل میں شرکت کر سکتا ہے اور بالآخر طاقتور غالب آجائیں گے اور کمزوروں کے پاس بھوک، عریانی اور محرومی کے سوا کچھ باقی نہ بچے

گا۔ گویا شریعتِ اسلامیہ نے سزائے قطع مقرر کر کے جرم کے داعی نفسیاتی عوامل کو ان نفسیاتی عوامل سے رد کر دیا ہے جو جرم سے باز رکھنے والے ہیں۔ بالفرض اگر جرم کے داعی نفسیاتی عوامل روکنے والے عوامل پر غالب آجائیں اور انسان ارتکاب جرم کرے تو سزا کی سختی اور شدّت اس میں از سر نو جرم سے روکنے والے نفسیاتی عوامل کو ابھارے گی اور وہ دوبارہ ارتکاب جرم نہیں کرے گا۔

چنانچہ ہاتھ کاٹنے کی سزا انسان کی نفسیات اور اس کی ذہنیت کے گہرے مطالعے کے اساس پر قائم ہے اسی لئے یہ سزا افراد کے بھی مناسب ہے اور معاشرے کے لئے بھی بہت مفید ہے کیونکہ اس سے جہاں ہر دم لوٹ مار، اضطراب و فساد اور وڈاکہ کا بازار گرم رہتا ہے وہاں معاشرے میں امن و امان اور سراسر سلامتی آتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو سزا افراد اور معاشرے دونوں کے مناسب اور دونوں کے مفاد میں ہو وہ ایک بہترین اور منصفانہ سزا ہے۔ مگر بعض حضرات کے نزدیک سزائے قطع کا یہ جواز کافی نہیں کیونکہ ان کے بقول اس سزا میں قساوت پائی جاتی ہے اس سزا کے انکار میں ان لوگوں کے پاس یہی ایک واحد دلیل ہے مگر یہ دلیل بھی بے وزن اور عبث ہے۔ اس بناء پر زیر نظر مقالے میں "چوری کی سزا" کو قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کر کے بعض لوگوں کے اعتراضات اور شبہات کا جواب دینے کے بعد چوری سے متعلق دیگر امور مثلاً چوری کی مالیت، مقدار، اقسام اور اصول ذکر کئے جائیں گے۔

چوری کے لغوی اور شرعی مفہوم

سرقہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ (س ر ق)۔ قرآن و سنت کے نصوص اور فقہی اصولوں کی روشنی میں فقہاء کرام نے چوری کی تعریف درجہ ذیل الفاظ میں کی ہیں۔

صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ نے لکھاہے کہ "السرقة فی اللغة اخذ الشئی من غیرہ علیٰ سبیل الخفیة والاستسراء"[1] خفیہ طریقے سے کسی دوسرے شخص کا مال اُٹھالینا لغت میں چوری کہلاتا ہے۔

فقہی تعریف کرتے ہوئے صاحبِ فتح القدیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اخذ العاقل البالغ نصاب القطع خفیة مما لایتسارع اللہ الفساد من المال متمول للغیر، من حرز بلا شبهة"[2] کہ عاقل وبالغ شخص کا کسی ایسی محفوظ جگہ سے کہ جس کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو دس درہم یا اتنی مالیت (یا اس سے زیادہ) کی کوئی ایسی چیز جو جلدی کراب ہونے والی نہ ہو چھپ کر کسی شبہ و تاویل کے بغیر اُٹھالینا

مغنیٰ المحتاج میں سرقہ کی تعریف یوں لکھا ہوا ہے کہ "شرعی طور پر سرقہ خفیہ اور ظلم کے طریقے سے مال لینا ہے"۔[3]

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ "چوری نام ہے کسی مال کا اس طرح خفیہ طریقے سے اڑانا کہ وہ یہ سمجھے کہ اُسے کسی نے نہیں دیکھا۔[4]

اسی سے ملتی جلتی تعریف علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ نے بھی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ "سرقہ نام ہے کسی ایسی چیز کا خفیہ طریقے سے حاصل کرلینا جو اس کی ملکیت نہ ہو"[5] علامہ زبیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "السارق عندالعرب من جاء مستترا إلى الحرز فأخذ مالا لغيره"[6]

علامہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "السرقه لغة أخذ مال الغيرعلي وجه الخفية" [7] درمختار میں ہے:"هي لغة أخذا لشيء من الغير خفية" [8]

مذکورہ بالا تمام تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معمولی اور حقیر چیزوں کی چوری میں "قطعِ ید" کی بجائے صرفِ نظر کیا جائے، اور اسی طرح چوری کرنے والا عاقل اور بالغ ہو اور چوری شدہ چیز مالیت بھی رکھتی ہو، اور نصاب بھی قطع ید تک پہنچتی ہو اگر یہ تمام شرائط نہ پائی جائے تو از روئے شریعت چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

چوری کی سزا: چوری گناہِ کبیرہ ہے شریعتِ اسلامیہ نے جرمِ سرقہ پر قطعِ ید کی سزا دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ"[9] اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کیے کا بدلہ ملے۔ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحب اقتدار بھی ہے، صاحب حکمت بھی۔

قطعِ ید سے مراد اور مقدار

جمہور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں چوری کی سزا کے طور پر جس قطعِ ید کا حکم ہے اُس سے مراد دائیں ہاتھ کو کلائی سے کاٹنا ہے، خوارج کہتے ہیں کہ قطعِ ید کے حکم سے مقصود کندھے تک ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ ید کا اطلاق انگلیوں کے سروں سے لیکر بغل تک تمام عضو پر ہوتا ہے اس کے برعکس بعض لوگوں نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ صرف انگلیوں کا کاٹنا مناسب ہے کیونکہ انگلیون ہی سے پکڑنے کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ اخری

قولِ نص کے خلاف ہے، عبارت میں قطعِ ید کا ذکر ہے نہ کہ قطعِ اصابع کا۔ ہاتھ کاٹنا کبھی کلائی سے ہوتا ہے، کبھی کہنیوں سے اور کبھی کندھے یا شانے سے۔ آیت کا یہ ابہام رسول اللہ ﷺ کے بیان سے دور ہوتا ہے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹا جائے، نیز کلائی تک کاٹنا وہ مقدار ہے جو یقینی طور پر نص سے معلوم ہوتی ہے، لہذا اسے لے لیا جائے گا۔ نیز معاملہ سزا کا ہے اور سزا میں وہی مفہوم لیا جاتا ہے جو یقینی ہو۔[10] المغنیٰ میں ہے کہ "فاذا سرق السارق اول مرة اليمنىٰ ،فاذا عاد للسرقة ثانية قطعت رجله اليسرىٰ ،وتقطع

الید من مفصل الکف ،وتقطع الرجل من مفصل الکعب وکان علیؓ یقطعھامن نصف القدم من مقعد الشراک لیدع للسارق عقبایمشی علیہ[11]

اس امر پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ ایدی کے ہاتھ اور پیر دونوں آتے ہیں اگر چور پہلی مرتبہ چوری کرے تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹا جائے گا اور دوسری مرتبہ چوری پر بایاں پیر کاٹا جائے گا اور ہاتھ گٹے کے جوڑ سے اور پیر ٹخنے کے جوڑ سے کاٹا جائے گا اور حضرت علیؓ آدھا پیر کاٹتے جہاں تسمہ باندھتے ہیں اور چور کے چلنے کے لئے باقی کا حصّہ چھوڑ دیتے ہیں۔

گویا شریعتِ اسلامیہ نے سزائے قطع مقرر کر کے جرم کے داعی نفسیاتی عوامل کو ان نفسیاتی عوامل سے رد کر دیا ہے جو جرم سے باز رکھنے والے ہیں۔ بالفرض اگر جرم کے داعی نفسیاتی عوامل روکنے والے عوامل پر غالب آجائیں اور انسان ارتکابِ جرم کرے تو سزا کی سختی اور شدّت اس میں از سر نو جرم سے روکنے والے نفسیاتی عوامل کو ابھارے گی اور وہ دوبارہ ارتکاب جرم نہیں کرے گا۔

چوری کرنے پر وعیدیں:۔

نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:"کل المسلم علی المسلم حرام دمہ و مالہ و عرض "[12] یعنی ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔ ۲۔ حضور ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا"من سرق من الارض شبر اطوقتہ یوم القیامۃ من سبع ارضین"[13]

یعنی جس نے زمین سے ایک ٹکڑا بھی چرایا قیامت کے دن اس کی گردن پر سات زمینوں کا بوجھ ڈالا جائے گا۔

نصابِ سرقہ کی تعیین کا مدار

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فرماتی ہیں:''لم تقطع ید سارق علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ادنیٰ من ثمن المجن ترس او حجفۃ وکان کل واحد منھما ذا ثمن'' [14]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ زرہ یا ڈھال سے کم قیمت چیز میں نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں چیزیں قیمتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں" لم یکن علیٰ عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الشئ التافہ" [15]

نبی صلی اللہ علیہ کے عہد میں معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ عروہ بن زبیر فرماتے ہیں:'' کان السارق علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقطع فی ثمن المجن وکان المجن یومئذ لہ ثمن ولن یکن یقطع فی الشئی التافہ''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت میں کاٹا جاتا تھا، کیونکہ اس وقت ڈھال ایک قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی۔ کسی معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا"۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مختلف مقدمات میں، مقدمے کی نوعیت کے لحاظ سے، کسی مخصوص نصاب کی پابندی کیے بغیر قطع ید کی سزائیں دی یا تجویز کی ہیں اور قیمتی اور غیر قیمتی اشیاء میں اپنے اپنے صواب دید کے لحاظ سے فرق قائم کیا ہے:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے لوہے کا ایک خود چرانے پر کہ جس کی قیمت ایک چوتھائی دینار تھی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔[16]

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جس کو پانچ یا تین درہم میں بھی لینا پسند نہ کرتا۔[17]

عمرہ بیان کرتی ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں تین درہم کا ایک لیموں چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔[18] لیکن ایک دوسرے مقدمے میں ایک ذمی کو، جس نے کپڑا چرایا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت دس درہم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔[19]

مصنف ابی شیبہ میں یہ بھی ہے کہ "ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں چار درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کو درست قرار نہیں دیا"۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک مروی حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں کے ہاتھ درہم چرانے پر ہی کاٹا جائے گا۔

عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جوتوں کا ایک جوڑا چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکے کے راستے میں لوگوں کے چابک چرایا کرتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر دوبارہ تم نے ایسا کیا تو میں تمھارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ ایضا۔[20]

اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے دورِ اول میں فقہاء کے ایک گروہ نے ڈھال یا اس کی قیمت کو معیار ماننے یا صحابہ سے منقول فتاویٰ اور فیصلوں میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بجائے قیاس کے اصولوں پر ایک دوسرا معیار پیش کیا اور کہا کہ چونکہ بکریوں کی زکوۃ کا نصاب کم از کم چالیس بکریاں ہے، اس لیے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے کم از کم چالیس درہم کو نصاب قرار دینا چاہیے۔[21]

امام رازیؒ ان کے استدلال کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: نحن لا نوجب القطع فی سرقه الحبة الواحدة ولا فی سرقة التبنة الواحدة بل فی اقل شئی یجری فیه الشح والضنة وذلک لان مقادیر القلة والکثرة غیر مضبوط فربما استحقر الملک الکبیر آلافاً مولفة وربما استعظم الفقیر طسوجاً--ولما کانت مقادیر القلة والکثره غیر مضبوطة وجب بناء الحکم علی اقل ما یسمی مالاً"۔[22]

ہم ایک دانے یا ایک تنکے کی چوری پر نہیں، بلکہ اس کم سے کم مقدار پر قطع ید کو لازم ٹھہراتے ہیں جس کے بارے میں انسان اپنے اندر بخل اور کنجوسی محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ ایک عظیم بادشاہ ہزاروں لاکھوں کی رقم کو حقیر سمجھ سکتا ہے، جبکہ یہ ایک فقیر ممکن ہے کہ ایک طسوج کو بھی بہت بڑی چیز خیال کرے، چونکہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جاسکتی، اس لیے قطع ید کے حکم کا مدار اس کم سے کم مقدار پر رکھنا پڑے گا جسے مال کہا جاسکتا ہو"۔

اب اگر سرقہ میں نصاب مقرر کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ معمولی چیزوں کی چوری پر سزا نہ دی جائے، بلکہ کسی ایسی چیز کی چوری پر قطع ید کی سزا نافذ ہو جو عقلاً و عرفاً کسی خاص قدر و ویت رکھنے والی چیزیں بھی ایک جیسی نہیں ہوسکتی۔ عرب کے بدوی معاشرے میں ڈھال وغیرہ کو ایک قیمتی چیز کی حیثیت حاصل تھی اور اس بناء پر اس کو معیار مقرر کرنا بھی درست تھا، لیکن ظاہر ہے کہ دوسرے معاشروں میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ اس بات کو درست مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ڈھال کو تمام معاشروں اور زمانوں کے لیے معیار قرار دینے کے بجائے اس کا تعین ہر علاقے اور ہر دور کے اہل حل و عقد کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے جو اپنے اپنے عرف، ضروریات اور حالات کے لحاظ سے سرقہ کے لیے بصاب متعین کریں۔[23]

اقسام سرقہ Kind of theft

قرآن و حدیث کی نصوص اور فقہی اصولوں کی روشنی میں فقہائے نے جرائم سرقہ کی مندرجہ ذیل قسمیں کی ہیں(۱) سرقہ موجب حد (۲) سرقہ موجب تعزیر

سرقہ موجبِ تعزیر سے مراد وہ سرقہ ہے کہ جس کی سزا شریعت میں متعین نہ ہو بلکہ قاضی کی صوابدید پر منحصر ہو، اگر سرقہ موجبِ حد کو نہ پہنچے تو اس کا شمار میں موجبِ تعزیر میں ہوگا۔ سرقہ موجبِ حد وہ سرقہ ہے کہ کوئی مکلف، ناطق، بصیر شخص، دوسرے کا مال جو دد دس درہم یا اس کی قیمت کو پہنچتا ہو، قدرتی طور پر جلدی بگڑ جانے والا نہ ہو، ملک اور شبہ ملک سے خالی ہو اس میں معقول تاویل کی گنجائش نہ ہو، خفیہ طور پر بنیّتِ سرقہ لے جائے تو کہا

جائے گا کہ اس نے سرقہ موجب حد کا ارتکاب کیا ہے۔[24] یہاں پر مکلّف، ناطق اور بصیر ان تینوں صفات کا تعلق مجرم سے ہے اور اگر مجرم کے اندر یہ سب یا ان میں سے کوئی صفت معدوم ہو تو حد سرقہ عائد ہو گی۔[25]

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک حد سرقہ اس کافر بھی نافذ ہو گی جو ذمی ہو، اور حربی مستامن ہو (یعنی ایسا کافر جو کچھ عرصے کے لیے امان لے کر اسلامی حکومت میں رہتا ہو) تو اس پر حد سرقہ نافذ نہ ہو گی، مگر امام یوسفؒ کے نزدیک اس پر بھی حد نافذ ہو گی۔ علامہ ابنِ عابدین نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔[26]

سرقہ مستوجبِ سزا کے لیے چند اصول: اس کے علاوہ فقہاء کرام نے "سرقہ مستوجب سزا" کے لئے چند اصول وضع کئے ہیں کہ جن سے یہ معلوم کیا سکتا ہے کہ کون سے مقدماتِ سرقہ میں تعزیر دی جائے گی۔ ان اصولوں کا خلاصہ درجہ ذیل ہیں۔

ا۔ سرقہ مستوجبِ حد میں سارق (چور) کے لئے جو شرائط مقرر ہیں وہ یا ان میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے۔ ۲۔ سرقہ مستوجب حد میں مالِ مسروقہ کے لئے چند شرائط مقرر ہیں وہ یا ان میں سے کوئی ایک شرط موجود نہ ہو۔ ۳۔ سرقہ مستوجب حد کے ثبوت کے لئے جو صورتیں متعین ہیں وہ یا ان میں سے کوئی ایک صورت یا شرط موجود نہ ہو ۴۔ سرقہ کے وہ مقدمات کہ جن میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ قابلِ حد نہیں۔

درجہ بالا اور اسی نوعیت کے دوسرے مقدمات قابلَ ِ تعزیر ہیں اور ان کی تعداد بے شمار ہیں، جن کا احاطہ یہاں مشکل ہے، مثال کے لئے چند قسم کے مقدمات کا سمجھنا ضروری ہے۔

ا۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے مال کا خفیہ طور پر چرانا ضروری ہے چنانچہ ٹھگی یا اور ناجائز ذرائع سے کی گئی چوری قابلِ تعزیر ہے۔ ۲۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے مسروقہ چیز کا مال ہونا ضروری ہے چنانچہ جانوروں، پرندوں، میّت وغیرہ کی چوری قابلِ تعزیر ہے۔ ۳۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے مسروقہ شئے کا شرعی جواز سے باقیمت ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ مشروبات محرمہ (شراب و منشیات) کتب حدیث و مصاحف (جب کہ حد نصاب کو نہ پہنچیں) اور مردہ کے کفن کا سرقہ قابلِ تعزیر ہے۔ ۴۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے ضروری ہے کہ مسروقہ چیز عام منفعت یا عام استعمال یا عام لوگوں کی مشترک نہ ہو چنانچہ مٹی، جلانے کی جنگل کی لکڑی، دودھ، پکا ہوا کھانا اور پھل وغیرہ کا سرقہ مستوجبِ سزا ہے۔ ۵۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ (حرز) سے چرایا گیا ہو، چنانچہ ایسی جگہ سے چرایا ہوا مال جو "شرعی حرز" کی تعریف میں نہ آتی ہو قابلِ تعزیر ہے۔

٦۔ سرقہ مستوجبِ حد کے لئے نصابِ سرقہ مقرر ہے۔ چنانچہ اگر چوری نصابِ سرقہ سے کم مالیت کی ہو تو قابل تعزیر ہے۔[27]

لوٹنے اور اچکنے والے کے بارے فقہائے کرام کی آراءاور لوٹنے والے کو بھی تعزیری سزادی جائے گی کیونکہ لوٹنے والا اور اچکنے والا دونوں کھلے بندوں اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں،لہذا ان افعال میں سرقہ کی اہم شرط،یعنی فعل کا ارتکاب بطورِ خفیہ نہیں پائی جاتی تاکہ حد کا اجراء کیا جاسکے۔[28]

امام مالکؒ فرماتے ہیں ان دونوں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے،اچکے کے بارے میں تو سنت نبوی ﷺ یہی ہے۔نیز ان کے بارے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔[29]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اچکے اور لیٹرے پر حد اس لیے نافذ ہوگی کہ یہ کھلے بندوں مال اٹھالیتے ہیں۔البتہ فرق یہ ہے کہ اچکہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے،اور لٹیرا قوت بازو پر بھروسہ کرتا ہے۔لہذا ان دونوں کو اس جرم سے،حکومت اور اس کارندون سے مدد لے کر بسولت باز رکھا جاسکتا ہے۔لیکن چور کا معاملہ ان سے مختلف ہے،وہ چونکہ اس جرم کا ارتکاب خفیہ کرتا ہے۔لہذا اس کا تدارک مشکل ہوتا ہے،اس لیے اسے سخت سزادینے کے لیے اور اسے چوری سے باز رکھنے کی خاطر اس کے لیے قطع ید کی سزا تجویز کی گئی ہے۔[30]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اچکے اور لیڑے پر حد اس لئے نافذ ہوگی کہ یہ کھلے بندوں مال اٹھالیتے ہیں ۔البتہ فرق یہ ہے کہ اچکہ بھاگنے کی کوشش کرتا ہے،اور لیڑا قوت وبازوپر بھروسہ کرتا ہے۔لہذا ان دونوں کو اس جرم سے،حکومت اور اس کے کارندوں سے مدد لیکر بسولہت باز رکھا جاسکتا ہے۔لیکن چور کا معاملہ ان سے مختلف ہے،وہ چونکہ اس جرم کا ارتکاب خفیہ کرتا ہے۔لہذا اس کا تدارک مشکل ہوتا ہے۔اس لئے سخت سزادینے کے لئے اور اسے چوری سے باز رکھنے کی خاطر اس کے لئے قطع ید کی سزا تجویذ کی گئی ہے۔[31]

مالیّت کی شرط اور تعزیری سزا: علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں"واذا لم يكن المأخوذ مالاً فلايعتبر الأخذ سرقة،ولا يقام على الآخذ حد السرقة تبعاً لذلک وقد يعزر علىٰ ماارتكب من جرم ليست فيه عقوبة مقدرة فيعزر من يسرق كلبا أو فهداً أو حيواناً من حيوانات الصيد،أو الطيور والوحوش،لان هذه الاشياء لا تتمول عادة أو ميتة لان ها ليست بمال"اگر مسروق چیز مالیت نہ رکھتی ہو تو اس کا لینا سرقہ نہ ہوگی،لیکن اس نے چونکہ ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے جس میں کوئی متعین نہیں ہے۔اس لئے اسے تعزیری سزادی جاسکتی ہے۔چنانچہ جو شخص کتے یا چیتے کو چرائے،یا شکاری جانوروں میں سے کسی جانور کو چرائے یا پرندوں اور دوسرے وحشی جانوروں کو چرائے تو اسے تعزیری سزادی جائے گی،کیونکہ یہ چیزیں بالعموم مالیت نہیں رکھتی تو اس وجہ سے ان کی چوری پر چوری کے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔[32] یہی حکم شکاری جانوروں کا ہے کہ اگر کوئی شکاری جانوروں میں سے کسی جانور کو چرائے یا پرندوں اور دوسرے وحشی جانوروں کو چرائے تو اسے تعزیری سزادی جائے گی۔یہی حکم

ان سدھائے ہوئے درندوں کا ہے جو شکار کرتے ہوں، کیونکہ اگرچہ وہ سدھائے ہوئے ہیں تاہم وہ مالیت نہیں رکھتے، لہذا ان میں قطع ید نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے کتے کی چوری میں قطعِ ید کی سزا نہیں ہے نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت کو حرام قرار دیا ہے۔ بأن النبى صلى الله عليه وسلم حرم ثمنه"[33] جب اس کی قیمت کھانا حرام ہے تو اس سے معلوم ہو جائے گا کہ کتا مالیت نہیں رکھتا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی کا شکاری پرندہ چرا لے مثلاً باز وغیرہ تو اس میں قطع ید کی سزا ہو گی۔[34]

معلق کھجوروں کی چوری کا حکم:

معلق کھجوروں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا"من أصاب بفيه نب ذى حاجة غير متخذ خبنة فلا شئى عليه،ومن خرج بشئى منه فعليه غرامة مثله والعقوبة"[35]

جو شخص ضرورت کے وقت کھالے اور بغل میں دبا کر نہ لے جائے تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ اور جو شخص اس میں سے کچھ ساتھ لے بھی جائے تو اسے اس کا تاوان دینا ہو گا، اور اس کے ساتھ اسے سزا بھی دی جائے گی۔

پھل اور گندم کے خوشہ چرانے پر سزائے تعزیر

اگر کوئی ایسے پھل چرائے جو ابھی درخت کے اوپر ہو، اگرچہ وہ درخت چار دیواری وغیرہ سے محفوظ کر لیا گیا ہو، تو اس میں تعزیری سزا واجب ہو گی۔ یا کوئی گندم کو اس حال میں چراتا ہے کہ وہ خوشوں میں ہو، کیونکہ یہ خوشوں کی حالت میں مال نہیں سمجھی جاتی اور یہ بات یقینی نہیں ہے، کہ وہ خشک ہو جائے، امام سرخسی نے مبسوط میں اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ گندم خوشوں کی حالت میں جلدی خراب ہو جاتی ہے، اور جب تک وہ اس حالت میں رہتی ہے، اسے مال نہیں سمجھا جاتا نیز اس حال میں یہ پوری طرح محفوظ و مامون نہیں ہوتی۔[36]

شراب اور دیگر مشروبات پر کوئی سزا نہیں ہے: "ولا في شيء من المشروبات المحرمة كالخمر لأن ذلك ليس مالاً لحرمته وكذلک مافى حرمته خلاف منها الطلاء،وهو المثلث،للاختلاف فى اباحته،وفي كونه مالا،فهو قاصر فى معني المالية،والمطبوخ أدئي طبخة من نقع الزبيب و نبيذ التمر،لاختلاف الفقهاء فى اباحة شربه،والاختلاف في حرمة هذه المشروبات ونظائرها يورث قصوراً فى معنىٰ المالية"[37]

نیز تمام حرام مشروبات، مثلاً شراب میں کوئی سزا نہیں ہے، کیونکہ حرام ہونے کی وجہ سے ان میں صفت مالیت نہیں پائی جاتی، نیز ان چیزوں میں بھی کوئی سزا نہیں ہے کہ جن کی حرمت میں اختلاف ہے، مثلاً طلا (انگور کا وہ رس

جسے جوس دے کر ایک تہائی رہنے دیا جائے) اسے مثلّث بھی کہتے ہیں، کیونکہ بعض لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں اور اسے مال سمجھتے ہیں، ایسی چیزوں میں سزا اس لیے نہیں ہے کہ ان کی مالیت میں نقص ہے۔

علمی کتابوں کی چوری پر سزائے تعزیر: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید چرائے یا علمی کتابیں چرائے تو اسے بھی تعزیری سزا دی جائے گی کیونکہ مصاحف اور کتابوں میں کو کچھ ہوتا ہے، اس میں مالیت نہیں پائی جاتی۔[38]

سرقہ مستوجبِ حد میں مالِ مسروقہ کی شرائط

تمام مکاتب کے فقہاء نے سرقہ مستوجبِ حد کے مقدمات پر تفصیلاً بحث کی ہے، ان مقدمات میں جو اصول کارفاہیں ان کا تعلق مالِ مسروقہ کی کیفیت و کمیت سے ہے فقہاء نے انہیں مندرجہ ذیل شرائط میں سمویا ہے۔ خفیہ طریقے سے حصول: یہ کہ سرقہ کا مال خفیہ طریقے سے حاصل کیا گیا ہو چنانچہ: ۱۔ ایسی صورتیں جن مرتکبِ سرقہ نے حرز (محفوظ کی جگہ) سے مال پوشیدہ طور پر خود اپنے ہاتھوں سے چرایا ہو مستوجب حد ہیں۔

۲۔ ایسی صورتیں کہ جن میں مرتکبِ سرقہ نے اپنے ہاتھ کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے مال و حرز سے نکالا ہو موجب حد ہیں۔

۳۔ ایسی صورتیں کہ جن میں مرتکب سرقہ پوشیدہ طور پر مال حاصل کرنے میں ناکام رہا اور اُسے نقصان پہنچا کر یعنی تلف کر کے "حرز" سے باہر نکلا ہو موجب حد ہیں۔

۴۔ ایسی صورتیں جن میں پوشیدہ طور پر مال حاصل کرنے والوں کی تعداد ایک سے زائد ہو اور ان میں ایک "حرز" (مال کے محفوظ رکھنے کی جگہ) تک پہنچا ہو باقی نقب زنی یا نچلی منزل تک لانے میں اس کی مدد کر رہے ہوں موجبِ حد ہیں۔[39]

نصابِ سرقہ: نصابِ سرقہ کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، اور اس میں متعدد اقوال ہیں، بعض علماء تو سرے سے نصاب کے قائل میں نہیں ہیں، وہ قلیل و کثیر میں قطع ید کے قائل ہیں، البتہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اجزائے حد کے لئے نصاب ضروری ہے۔ البتہ نصاب کی مقدار میں ان کے درمیان اختلاف ہے، لیکن اگر نصاب نہ ہونے کی وجہ سے قطع ید ساقط ہو جائے تو مجرم کو تعزیری سزا دی جائے گی کیونکہ اس کا فعل ایک جرم ہے اور اس میں کوئی سزا مقرر نہیں ہے۔[40]

امام شافعیؒ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہاتھ دینار کے چوتھے حصّے یا اس سے زائد پر ہی کاٹا جائے گا۔[41]

سزائے قطع ید ساقط ہونے کے اسباب

فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اگر قطع ید (ہاتھ کاٹنا) کی شرعی تقاضوں سے واجب ہو جائے تو پھر کوئی مفر نہیں۔ لیکن کچھ اسباب ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے "سزائے قطع" ختم ہو جاتی ہے۔ ان میں چند اسباب درجہ ذیل ہیں۔

ا۔ تکذیبِ شہادت: یہ کہ مرتکب سرقہ اپنے خلاف شہادتوں کو جھوٹا ثابت کر دے، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ تکذیب ابتداء میں اور سرقہ کے استغاثہ کے بعد ہونی چاہیے جرح ختم ہونے یا فیصلہ ہونے کے بعد نہیں۔

۲۔ انحراف اقرار: یہ کہ مرتکب سرقہ جب کہ اس کے خلاف کوئی اور ثبوت نہ ہو اقراری بیان سے انحراف کرے۔ لیکن یہ انحراف مقدمہ کے شروع میں کسی وجہ سے ہونا چاہیے مقدمے کا اختتام یعنی فیصلہ کے وقت یا اس کے بعد نہیں۔

۳۔ مالِ مسروقہ کی واپسی: یہ کہ مرتکبِ سرقہ چوری کا مال مالک کو واپس کر دے حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ واپسی مقدمہ قائم ہونے سے پہلے ہونی چاہیے۔ لیکن امام یوسفؒ کی رائے میں جب چوری کا ارتکاب ہو گیا تو مال کی واپسی سے حد کے ثاقط ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۴۔ مالِ مسروقہ کی ملکیت: یہ کہ مرتکبِ سرقہ مال مسروقہ کا فیصلہ سے قبل مالک بن جائے تو قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ یہ رائے حضرت امام ابو حنیفہؒ و امام محمدؒ کی ہے۔ امام یوسفؒ اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن شیعہ فقہاء (زیدیہ) کے نزدیک ایسی ملکیت استغاثہ دائر ہونے سے قبل ہونا چاہیے۔

سارق کا دعویٰ ملکیّت: یہ کہ مرتکبِ سرقہ مالِ مسروقہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کرے تو بعض فقہاء کے نزدیک سزائے قطع ید ساقط ہو جائے گی۔[42]

ثبوتِ سرقہ کے ذرائع

سرقہ موجب حد کا ثبوت ملزم کے اقرار یا شہادت کے ذریعہ سے ہو گا۔ عالمگیری میں ہے کہ "قضیٰ بالقطع ببینۃ او اقرار"[43]

اقرار کا اعتبار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملزم قاضی کے سامنے کم از کم ایک مرتبہ بغیر جبر و تشدد کے اقرار کرے۔

۲۔ اقرار سے حد کو ساقط کر دیتا ہے خواہ حد کے اجراء کے دوران ہی میں کرے لیکن مال کے حق میں اقرار سے رجوع مال کو ساقط نہیں کرے گا۔ الرجوع بعد الاقرار انما لا یصح فی حقوق العباد[44]

البتہ اقرار سے رجوع کرنے پر اس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔

۳۔اقرار بالجبر موجبِ قطع نہیں لیکن موجب مال ہے۔

قاضی مُقر سے یہ سوال کرے گا کہ ا۔چوری کس کو کہتے ہیں؟تونے کس شخص کی چوری کی ہے؟کیا جنس چرائی ہے؟چوری کیسے کی؟کہاں سے کی؟کتنی کی؟کشمیری ص ۲۳

اگر مالِ مسروقہ مجلس قضاء میں موجود ہو تو قاضی کا صرف اس کو دیکھنا ہی کافی ہو گا جنس اور مقدار سے سوال کرنے کی ضرورت نہ ہو گی۔شامی باب الاقرار

مذکورہ بالا پانچوں اجزاء کی تشریحات حسبِ ترتیب مذکورہ مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔لغت میں اقرار کے معنی اثبات کے ہیں اور اصلاح شریعت میں اپنے اوپر دوسرے کے حق کی خبر دینے کو اقرار کہاجاتاہے۔

فقہاء کے درمیان اس بارے میں اختلاف پایاجاتا ہے کہ آیا قطع کے لیے ایک مرتبہ اقرار کافی ہے یا اقرار کے لیے تکرار کاہوناضروری ہے۔

امام حنیفہؒ،امام محمدؒ،امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے علاوہ اکثر علماء کے نزدیک ایک مرتبہ ملزم کا اقرار موجبِ قطع ہے۔امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق دو مرتبہ اقرار کرنا ضروری تھا مگر اس سے انہوں نے رجوع کرکے جمہور کی تائید کر دی تھی۔

امام احمدؒ اور امام زُفرؒ کے نزدیک ایک مرتبہ سے زائد اقرار کرناضروی ہے۔کشمیری ۲۴

اِقرارِ سرقہ اور عدالت کی ذمہ داری

اقرارِ سرقہ کی قبولیت کے لیے اقرار میں پائی جانے والی عام شرائط کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کاہوناضروری ہے۔

اِقرار مفصّل ہو:اقرارِ سرقہ کا تفصیل کے ساتھ ہونالازمی ہے،اگر اقرار کرنے والاخود تفصیل بیان نہ کرے تو پھر عدالت کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اقرار کرنے والے سے اُس چیز کے متعلق دریافت کرے جس کی اُس نے چوری کی۔کیونکہ اِس بات کا احتمال ہے کہ چوری شدہ چیز کوئی ایسی ہو کہ جس کی چوری پر حد واجب نہ ہوتی ہو۔عدالت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ مسروق کی مالیت کا دریافت کرے کیونکہ اِس بات کا بھی احتمال ہے کہ مسروقہ مالیت میں نصاب سے کم ہو۔[45]

عدالت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اِقرار کرنے والے اُس مقام کا دریافت کرے جہاں سے اُس نے سرقہ کیا کیونکہ اِس بات کا احتمال ہے کہ مسروق حرز سے نہ لیا گیا دو تین مرتبہ اِقرار جُرم کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے اُس شخص پر حد نافذ کرنے کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اس شخص پر حد نافذ کی گئی اور اس کے بعد اُسے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ اس کو توبہ اور استغفار کرنے کی ہدیت فرمائی اور خداوندِ قدوس سے اس کی توبہ قبول کرنے کی دعا مانگی۔[46]

عدالت کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ اقرار کرنے سے دریافت کرے کہ اُس نے کس حالت میں چوری کی ہے۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے چوری سنِ بلوغ کو پہنچنے سے قبل یاحالتِ جنون میں کی ہو اور ان صورتوں میں حد واجب نہیں ہوتی۔[47]

عدالت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اقرار کرنے والے سے دریافت کرے کہ اُس نے کس کے ہاں چوری کی۔ کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس نے کسی ایسے شخص کا مال چرایا ہو جس کے ہاں چوری کرنے پر شبہ کے قیام کی وجہ سے اس حد تک نافذ نہ ہو پاتی ہو۔ جیسا کہ باپ اپنے بیٹے کے ہاں چوری کر لے۔[48]

اِقرارِ سرقہ سے متعلق دو مرتبہ تکرار ہو۔

امام احمد اور فقہاء احناف میں بعض فقہاء کے نزدیک سرقہ کی حد کے نفاذ کے لیے ایک مرتبہ اقرار کافی نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ اقرار کو دو مرتبہ دہرایا جائے۔ ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، اس نے چوری کی تھی اور آپ ﷺ کے سامنے اُس نے اِقرار جرم بھی کر لیا مگر چوری شدہ مال اُس وقت اُس کے ہمراہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے چوری کی ہے؟ اس وقت ہم نے چور بکو پکڑ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس پر حد نافذ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اس پر میں نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ میں چوری شدہ مال چور کو ہبہ کر دیتا ہوں یا اسے فروخت کر دیتا ہوں۔ آپ حد نافذ نہ فرمائیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اس بات کا اختیار تمھیں دعویٰ پیش کرنے سے قبل تھا"۔[49]

۳۔ مسروقہ مِنہ چور سے مالِ مسروق کا مطالبہ کرے

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ نے چور پر حد کے نفاذ کے لیے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ مسروق منہ (جس کی چوری ہوئی ہو) چور سے اپنے مسروقہ مال کا مطالبہ کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اِقرار کے باوجود چور پر حد نافذ نہیں کی جائے۔[50]

اس لیے فقہاء کے نزدیک مجنیٰ علیہ (victim) کی طرف سے دعویٰ دائر کرنا حد کے نفاذ کے لیے شرط ہے۔

چوری میں گواہی اور متضاد بیانات

شافعی اور حنبلی مذاہب کے فقہاء کے نزدیک اگر گواہوں کے چوری کی جگہ اور وقت کے بارے میں بیانات میں تضاد پایا گیاتو اُنکی گواہی قابلِ قبول نہیں ہو گی۔ان فقہاءنے اس امر کی تعلیل یوں کی ہے کہ گواہوں کا ایک ہی فعل کی جگہ اور وقت کے بارے میں متضاد بیان دیناشبہ کے قیام کا موجب بنتا ہے اور شبہ کی موجودگی میں حد نافذ نہیں ہو سکتی۔چنانچہ ایک گواہ نے یہ گواہی پیش کی کہ مشہود علیہ نے سفید رنگ کی گاڑی صبح کے وقت چوری کی اور دوسرے گواہ نے عدالت میں یہ بیان دیا کہ اُس نے اُسی رنگ کی گاڑی شام کے وقت چوری کی تو گواہوں کے بیانات میں یہ تضاد گواہی کے قبول ہونے پر اثر انداز ہو گا اور یہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[51]

ظاہری مذہب کے فقہاء کے نزدیک گواہوں کے بیانات میں یہ تضاد گواہی کے قبول ہونے پر اَثر انداز نہیں ہو گا بلکہ چوری کے وقت کے بارے میں گواہوں کے بیانات میں اِس تضاد کے باوجود ان کی گواہی قابلِ قبول ہو گی۔اس لیے کہ گواہوں کے بیانات اس لحاظ سے متفق ہیں چوری کا وقوع ہوا ہے۔تضاد صرف وقت کے بارے میں ہے اور یہ تضاد گواہی قبول ہونے پر اثر انداز نہیں ہو گا۔[52]

جہاں تک مسروقہ چیز کی صفت کے بارے گواہوں کے بیانات میں تضاد کا تعلق ہے تو اکثر فقہاء اسلام کے نزدیک یہ اختلاف چوری کی گواہی پر اثر انداز ہو گا اور وہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔چنانچہ اگر ایک گواہ نے یہ گواہی پیش کی کہ مشہود علیہ نے سفید رنگ کی گاڑی کی چوری کی اور دوسرے گواہ نے عدالت کو یہ بتایا کہ اس نے سبز رنگ کی گاڑی چوری کی تو مسروقہ چیز کی صفت سے متعلق گواہوں کے بیانات میں یہ تضاد ان کی گواہی رد کرنے کا باعث بنے گا اور اس گواہی کے نتیجہ میں حد نافذ نہیں ہو پائے گی۔

حوالہ جات

[1] شیخ الاسلام برھان الدین ابوالحسن ابو بکر المرغینانی، الھدایہ، المکتبۃ الرشدیہ کوئٹہ، ج ا، ص ۳۶۲

[2] کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف ابن الھمام، فتح القدیر شرح الھدایۃ، المکتبۃ الرشدیہ پاکستان ۱۳۱۶ھ ج ۵ ص ۱۲۰

[3] الخطیب االشربینی، مغنیٰ المحتاج، دار المعرفۃ، ۱۴۱۸ھ ج ۴، ص ۳۳۲

[4] ابو محمد عبد اللہ بن قدامہ المقدسی، المغنیٰ، دار العالم الکتب الریاض، مکتبۃ الحرمین (س ن) ج ا ص، ۲۴۰

[5] امام ابنِ حزم، المحلی، دار الدعوۃ السلفیہ لاہور، ۱۹۹۰ء، ج ۱۱، ص ۳۳۶

[6] زبیدی، تاج العروس من جواھر القاموس، طبعۃ الکویت، ۲۰۰۸ء

[7]لشمس الدین السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت لبنان، ۱۹۸۶ء مبسوط: ج9 ص ۱۳۳

[8]محمد اًمین الشھیر بابن عابدین، حاشیہ ابنِ عابدین (رد المختار علی الدر المختار)، دار الفکر بیروت لبنان، ۱۹۶۶ ج4 ص 82

[9]سورہ مائدہ آیت ۳۸

[10]شمس الدین السرخسی، المبسوط، ج۹، ص ۱۳۴۔۱۳۵

[11]المغنیٰ، ج ا، ص ۲۶۴

[12]محمد بن علی الشوکانی الیمنی، نیل الاوطار، دار الحدیث مصر، ۱۴۱۳ھ ج ۷، ص ۱۴۳

[1313]محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، دار طوق النجاۃ، 1442ھ

[14]ایضاًرقم ۶۲۹۶

[15]۔عبد اللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبہ، الفاروق للطباعۃ والنشر، ۱۴۲۸ھ رقم ۲۸۰۸۹

[16]ایضاًرقم ۲۸۱۱۰

[17]ایضاً، رقم ۲۸۰۹۲

[18]مالک بن انس الاصبحی، موطأ امام مالک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان الموطاء رقم ۱۳۱۱

[19]مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۱۱۲

[20]رقم ۲۸۱۰۱

[21]لشمس الدین السرخسی، المبسوط ج۹، ص ۱۳۷

[22]للامام محمد رازی، مفاتیح الغیب، دار الفکر، ۱۴۰۱ھ ج ۲ ص ۱۷۸

[23]محمد عمار ناصر، حدود و تعزیرات چند اہم مباحث المورد، ۲۰۰۸ء ص ۱۸۷

[24]بحر الرائق ص ۱۵۳ مطبوعہ ملتان

[25]مولانا بشیر احمد کشمیری، تعزیراتِ اسلام، دائرۃ المعارف کراچی، ۱۴۰۱ھ ص ۸

[26]رد المختار ج ۳ ص، ۱۹۸

[27]بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۶۵

[28]علی حیدر خواجہ امین اًفندی، درد الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام، ۱۴۱۱ھ ج ۲، ص ۱۰۲

[29]امام مالک بن انس، المدونۃ الکبریٰ، دار صادر بیروت، ج ۱۶، ص ۷۵

[30]الرملی، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، المکتبۃ التوفیقیہ القاہرہ، ۲۰۱۲ء ج ۷، ص ۱۵۴

[31]ایضاً ج ۷، ص ۱۵۴

[32] الکاسانی جلد ۷ ص ۶۸

[33] المدونۃ الکبریٰ، ج ۱۶ ص ۲۳

[34] الدکتور عبد العزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیۃ، مصطفی البابی مصر، ۱۳۷۷ھ ص ۳۰۶

[35] فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی، تبیین الحقائق شرح الکنز الدقائق ج ۳ ص ۲۱۵

[36] المبسوط للسرخسی، ج ۹، ص ۱۵۵

[37] ایضاً ج ۹، ص ۱۵۴

[38] علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء الکاسانی ج ۷، ص ۶۸

[39] روضۃ الازہار شرح کتاب الآثار،، ج ۷ ص ۳۷۰

[40] عبد العزیز عامر، ج ۲ ص، ۳۰۳

[41] محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، مکتبہ رحمانیہ، ص ۳۱۳

[42] البدائع الصنائع، ج ۷، ص ۸۸

[43] ایضاً ج ۲ ص ۸۲۷

[44] المبسوط للسرخسی ص ۹۴ ج ۹، مطبوعہ مصر

[45] الزیلعی علی الکنز جلد ۳ ص ۲۱۴

[46] حدود نفاذ میں شبہات کا اثر ص ۹۸

[47] الزیلعی ج ۳ ص ۲۱۱

[48] حدود و نفاذ میں شبہات کا اثر ص ۹۹

[49] نیل الاوطار، ج ۷، ص ۱۴۵

[50] شرح الزیلعی، ج ۳، ص ۲۷۷

[51] المہذب، ج ۳، ص ۳۳۹

[52] المدونۃ الکبریٰ، ج ۶، ص ۷۷